بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مصادرِ شریعت از روئے فقہ جعفریہ

جناب مولانا الشیخ محمد حسین مہتمم اعلیٰ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا

اختلاف امت کا المیہ

باوجودیکہ علمی و عملی میدان میں اتحاد و اتفاق کے بارے میں قرآن و سنت میں نصوص کثیرہ موجود ہیں اور ان کی اہمیت و افادیت ناقابل انکار ہے۔ مگر اسے امت مسلمہ کی بدقسمتی ہی کہا جا سکتا ہے کہ دین و دنیا کا کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں جو اہل اسلام کے اختلاف آراء کی آماجگاہ نہ ہو۔ ہاں البتہ بقول سید جمال الدین اسد آبادی ایک بات پر ان کا اتفاق ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی بات پر اتفاق نہ کریں گے (اتفقوا علی ان لا یتفقوا)۔ گویا متنبی نے اسی تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

تخالف الناس حتی لا اتفاق لهم الا علی شجب والخلف فی الشجب

فقیل تخلص نفس المرء سالمة وقیل تشرك جسم المرء فی العطب

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ اس اختلاف کا حقیقی واحد سبب یا اس کے علل و اسباب کیا ہیں؟ کہ جو نبی خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اختلاف کو ختم کرنے اور تمام غلط مسالک و مذاہب کو بند کر کے لوگوں ایک صراط مستقیم پر چلانے اور گامزن فرمانے کے لیے تشریف لائے تھے (ان ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق

بکم عن سبیلہ[1] - ان کی امت پر کیا افتاد پڑی کہ ان کی مرضی و منشائے کے خلاف کیوں اختلاف انتشار کا شکار ہوگئی؟ سر دست اس امر کی نشاندہی ہمارے موضوع سخن سے خارج ہے - (اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب اثبات الامامت اور تجلیات صداقت میں تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے)

۲ - موجودہ مسئلہ میں اختلاف امت کا نمونہ

بہر حال اسی سنّت جاریہ اور سیرت مستمرہ کے مطابق شریعت مقدسہ کے مصادر و مدارک کے متعلق بھی امت مسلمہ کے مختلف فرق و مسالک میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے - (قطع نظر اس اختلاف کے کہ شریعت مطہرہ میں اجتہاد جائز بھی ہے یا نہیں ہے؟) سو مشہور یہ ہے کہ یہ مصادر و مدارک چار ہیں (قرآن) (۲) سنت (۳) اجماع (۴) عقل (عند الشیعہ) اور قیاس (عند اھل السنۃ) - مگر بعض حضرات اس سے زیادہ مآخذ کے قائل ہیں چار یہی مذکورہ بالا اور اور دو درج ذیل (۵) استحسان (۶) اور مصالح مرسلہ - اور بعض اہل علم نے ان مصادر کو دس تک پہنچا دیا ہے - چھ یہی اور باقی چار یہ (۷) اجتہاد (۸) استصحاب (۹) عرف (۱۰) اصل برات وغیرہ وغیرہ -

فرقہ شیعہ کا مشہور نظریہ

الغرض اس سلسلہ میں فقہ جعفریہ کے مشہور علمبردار اصولی علماء ابرار کے نزدیک مصادر شریعت چار ہیں (۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) اور عقل -

علماء مدققین کا عندیہ

مگر ان علماء کبار میں سے جو حضرات زیادہ محقق بلکہ مدقق ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ ان چار میں سے دراصل مدرک و مصدر صرف دو ہیں (قرآن (۲) سنت -

قرآن اور دین اسلام کے اکمل الادیان ہونے کا بیان

چونکہ دین اسلام ایک ایسا کامل بلکہ اکمل دین ہے اور اس کا قانونی صحیفہ قرآن مجید ایسا جامع بلکہ اجمع ضابطۂ حیات ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی بھی

[1] الانعام: ۱۵۴

انفرادی یا اجتماعی، دینی یا دنیوی، تمدنی یا تہذیبی، معاشرتی یا سیاسی شعبہ نہیں جس کے متعلق اس کے اندر جامع ہدایات اور واضح اشارات موجود نہ ہوں چنانچہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ آج تک کوئی ایسا مسئلہ پیدا نہیں ہوا جو قرآن و سنت کے وضع کردہ حدود و قیود اور اصول و ضوابط سے خارج ہو۔ اور قرآن و سنت کے کسی کلیہ کے تحت درج نہ ہو۔ جب قرآن تبیاناً لکل شیء ہے اور اس میں رطب و یابس کا تذکرہ موجود ہے۔ تو اس کی موجودگی میں کسی اور مستقل مصدر کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اسی بحر بے کراں میں غواصی و غوطہ زنی کرنے کی ضرورت ہے۔ اور حدیث تو اسی قرآن کی توضیح و تشریح کا نام ہے جو کہ بانیٔ اسلام کے قول و فعل اور تقریر کا مقدس مجموعہ ہے، تو ان حالات میں بلا خوف تردید یہ پیشگوئی کی جا سکتی ہے کہ آئندہ بھی صبح قیامت کے طلوع ہونے تک کوئی ایسا مسئلہ پیدا نہیں ہوگا جو قرآن و سنت کے ان جامع قواعد کے تحت موجود نہ ہو۔ کیونکہ یہ اصول و ضوابط اس قدر جامع و مانع ہیں کہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام ممکنہ مسائل و جزئیات اور انسانی لوازم و ضروریات اور ہر زمانہ اور اس کے مقتضیات ان کے تحت داخل ہیں اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است۔

احکام شرعیہ میں اجماع کی عدم اہمیت کا بیان

بنا بریں اجماع و عقل وغیرہ کو صرف بطور وزن بیت مصادر و مدارک میں داخل کیا گیا ہے؛ ورنہ ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔

کیونکہ دیگر مصادر و مدارک کی دراصل وہاں ضرورت پیش آتی ہے جہاں کوئی مسئلہ قرآن و سنت میں مذکور نہ ہو۔ لیکن جب ایسا نہیں ہے بلکہ پورے عالم اسلام کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو صراحۃً یا اشارۃً اللہ کے کلام (قرآن) یا سنت خیر الانامؐ میں مذکور نہ ہو، تو پھر ادھر اُدھر ہاتھ پیر مارنے کی ضرورت کیا ہے؟

فقہ جعفریہ کے نقطہ نظر سے اجماع کی حیثیت

علاوہ بریں فقہ جعفریہ کے نقطۂ نظر سے اجماع

کی اگر کوئی حیثیت ہے تو صرف اور صرف امام معصوم کے شامل ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ کسی مسئلہ پر تمام امت مجتمع ہوگی تو ضرور اس میں امام امت بھی داخل ہوں گے۔ اور بوجہ عصمت ان سے غلطی کے سرزد ہونے کا امکان نہیں ہے۔ چنانچہ محقق ابو القاسم علی (صاحب شرائع الاسلام) اپنی کتاب المعتبر ص، طبع ایران قدیم پر لکھتے ہیں: واما الاجماع فموعندنا حجة بانضمام المعصوم فلوخلی الماة من فقهائنا عن قوله لما کان حجةً ولوحصل فی الاثنین لکان قولهما حجة لا باعتبار اتفاقهما بل باعتبار قوله یعنی جہاں اجماع کا تعلق ہے تو صرف امام معصوم کی شمولیت کی وجہ سے حجت ہے لہٰذا اگر پورے سو عدد فقہاء میں امام کا قول شامل نہ ہو تو وہ اجماع امت نہ ہوگا اور اگر صرف دو شخصوں میں ان کا قول شامل ہو جائے تو وہ اجماع ہو جائے گا۔ ان کے اتفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ قول معصوم کے شامل ہونے کی وجہ سے،، بنا بریں اجماع کو زیادہ سے زیادہ قول معصوم معلوم کرنے کا کاشف اور ذریعہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ مگر اسے مستقل بالذات کوئی مدرک و مصدر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ عقلاً کا قاعدہ ہے کہ فاقد شی معطی شئ نہیں ہو سکتا۔ یعنی جس کے پاس جو چیز نہ ہو وہ دوسروں کو وہ چیز نہیں دے سکتا۔ مثلاً چند جاہل مل جائیں تو ایک عالم نہیں بنا سکتے۔ چند غربا کے مل جانے سے ایک غنی نہیں بن سکتا۔ اور چند اندھوں کے اجماع سے ایک بینا معرض وجود میں نہیں آسکتا۔ تو چند گنہگار و خطاکاروں کے اجماع کرنے سے ایک معصوم عن الخطا نظریہ کس طرح ختم لے سکتا ہے؟

ایک شبہ کا ازالہ اس سلسلہ میں ایک حدیث نبوی پیش کی جاتی ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا لا تجتمع امتی علی ضلالة کہ میری امت کبھی ضلالت و گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ تو اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہ ہے کہ یہ حدیث ہماری کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہے۔ تاکہ ہمارے لیے سند و حجت ہو۔ اور ثانیاً بناء بر تسلیم اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی۔ ظاہر ہے کہ پوری امت میں امام معصوم بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ان کی وجہ سے امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی تو اس سے ہمارے مؤقف

کی تائید مزید ہوتی ہے نہ کہ تردید۔ کما لا یخفی۔

فقہ جعفریہ کی رو سے دلیل عقل کا بیان

اور جہاں تک چوتھے مصدر و مدرک یعنی دلیل عقل کا تعلق ہے جس سے مراد یہ ہے کہ: "تکلیف مالا یطاق" (طاقت برداشت سے زیادہ تکلیف دینا) قبیح ہے، یا یہ کہ "بلا بیان سزا دینا" غلط ہے یعنی جہاں کوئی شرعی نص موجود نہ ہو وہاں اصل برائت جاری کی جائے گی۔ یا جب تک سابقہ یقینی حالت کے تبدیل ہونے کا یقین نہ ہو تو محض شک کی وجہ سے اسے ختم نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسی سابقہ حالت کا استصحاب کیا جائے گا ــــ وغیرہ وغیرہ۔

یہ بھی محض اس لیے حجت ہے کہ قرآن و سنت کے نصوص صحیحہ و صریحہ سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ یا بالفاظ دیگر یہ عقلی ضابطہ ماخوذ ہی قرآن و سنت سے ہے، کیونکہ عقل و شرع لازم و ملزوم ہیں۔ "کلما حکم به الشرع حکم به العقل وکلما حکم به العقل حکم به الشرع۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک فقیہ عقل سلیم کی رہبری و راہنمائی میں استنباط احکام کرتا ہے۔ اور اس کی روشنی سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ مگر بائیں ہمہ قرآن و سنت کے بالمقابل یہ کوئی مستقل مدرک نہیں ہے۔ اور نہ ہی استقلالی طور پر اسے کوئی حجیت و سندیت کا مقام حاصل ہے۔

حقیقی مصدر و ماخذ احکام قرآن و سنت ہی ہیں

سابقہ بیان نیز البرہان سے جہاں اجماع و عقل کے مستقل مصدر احکام ہونے کی کمزوری واضح ہوتی ہے۔ وہاں دوسرے قیاس کا تو فقہ جعفریہ کے مصادر میں کوئی مقام بلکہ کوئی تصور بھی نہیں ہے) ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل الم نشرح ہو جاتی ہے کہ استنباط احکام کے سلسلہ میں اصل بنیادی حیثیت قرآن کو حاصل ہے یا اس کے بعد سنت کو کیونکہ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ اسلام کا سنگ

بنیاد وحی الٰہی پر قائم ہے (اتبع مایوحیٰ الیک) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بھی وحی الٰہی کے بغیر احکام شریعت بیان نہیں کرتے (وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحیٰ) اب اس وحی الٰہی کو معلوم کرنیکے مختلف طرق و اخبار میں سے بنیادی و مرکزی حیثیت قرآن کو حاصل ہے یا سنت کو۔

فقہ جعفریہ میں قرآن کے مصدر احکام ہونے کی حیثیت

قرآن کیا ہے؟ رشد و ہدایت کا چراغ، تقویٰ و طہارت کا منارہ۔ حق و حقیقت کا راہنما اور متقیوں کا پیشوا۔ یہ خالق کون و مکان کا آخری الہامی و ربانی کلام معجز نظام ہے یہ بانیٔ اسلام کی نبوت خاتمیہ کا وہ معجزہ خالدہ ہے کہ لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ۔ یہ قرآن۔ معارفِ ربانیہ کا گنجینہ، حقائق کونیہ کا دفینہ اور احکام اسلامیہ کا خزینہ ہے۔ یہ اللہ جل وعلا کا کلام ہے۔ حق و باطل معلوم کرنے کا میزان ہے۔

قرآن و سنت میں بحث کرنیکی نوعیت جداگانہ ہے

حدیث میں دو چیزوں سے بحث کی جاتی ہے۔ ایک سند سے دوسری دلالت سے یعنی پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ فلاں حدیث صحیح ہے یا غلط؟ اور جب اس کا قابل اعتماد و اعتبار ہونا ثابت ہو جائے تو پھر یہ دیکھا جائے کہ اس کا مفہوم کیا ہے؟ مگر قرآن میں صرف دلالت سے بحث کی جاتی ہے کہ فلاں آیت کا حقیقی مطلب و مفہوم کیا ہے؟ اور جہاں تک اس کی سند اور کلام اللہ۔ اور ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہونے کا تعلق ہے یہ بات مفروغ عنہ ہے۔ اور اس کی حقانیت و صداقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر (ذلک الکتاب لاریب فیہ)

ع آفتاب آمد دلیل آفتاب

ظواہر قرآنیہ کے حجت ہونے کا بیان

حقائق قرآنیہ اور احکام فرقانیہ سے صحیح استفادہ کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ظواہر الفاظ کو حجت تسلیم کیا جائے جس کا ایک فرد جلی ظواہر قرآن ہے سو

واضح ہو کہ عقلاء روزگار کا طریقۂ کار اور فضلاء دہر کا شیوہ و شعار اس بات کا شاہد صادق ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے محاورات، مخاصمات، مناظرات اور مناظرات ہی باہمی مکالمات کے ظواہر الفاظ پر اعتماد کرتے ہیں اور اس روش و رفتار کی خلاف ورزی کرنے والے اور بلاوجہ ظاہری مفہوم کے خلاف تاویل کرنے والے کا علمی محاسبہ اور اس کی مذمت کرتے ہیں اور وہ کبھی متکلم پر یہ فرض عائد نہیں کرتے کہ وہ ادائے مطلب میں ایسا قطعی و صریح کلام کرے جس میں اصل مقصد کے خلاف معنی کا احتمال نہ ہو۔ اور یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے ماوراء ہے کہ شرائع الٰہیہ اور ان کے لانے والے مقدس افراد (انبیاً و مرسلین) کا شیوہ و شعار بھی اسی سیرت عقلائے روزگار کے عین مطابق رہا ہے، اور ان ذوات مقدسہ نے ہمیشہ اپنے روزمرہ کے کلام اور بیان المرام میں اسی عقلائی طریقۂ کار کی اتباع کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ادائے مطالب اور افہام مقاصد کے سلسلہ میں ان کا کوئی مخصوص طریقۂ کار نہیں تھا۔ بلکہ ان کا ارشاد ہے: " نحن معاشر الانبیاء امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولهم یعنی ہم گروہ انبیاء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کی عقل و خرد کے مطابق ان سے کلام کریں۔

بناء بریں یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ قرآن مجید کے ظواہر الفاظ حجت و سند ہیں اور ان سے جو اوامر و نواہی وغیرہ مستفاد ہوتے ہیں وہ مکلفین کے لیے شرعاً و عقلاً قابل عمل ہیں وہو المطلوب۔

ظواہر قرآن کے حجت ہونے پر بعض اشکالات اور انکے جوابات

اس سلسلہ میں بعض محدثین نے بعض اشکالات و ایرادات وارد کیے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے

کہ یہاں بڑے ایجاز و اختصار کے ساتھ ان اشکالات اور ان کے جامع جوابات کا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ اس مبحث کا مطلع ہر اعتبار سے بے غبار ہو جائے۔

پہلا اشکال اور اس کا جواب

قرآن مجید ان دقائق غامضہ اور مطالب عالیہ پر مشتمل ہے کہ جن کو صرف راسخون فی العلم اور وہ ہستیاں سمجھ سکتی ہے جو حقیقی مخاطب قرآن ہیں اور جن کے گھروں میں قرآن نازل ہوا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں وارد ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک مشہور امام پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے بہت بڑے علم کا دعویٰ کیا ہے (قرآن دانی کا) ویلك ما جعل الله ذلك الا عندنا اهل الكتاب الذين انزل عليهم افسوس ہے تجھ پر اللہ تعالیٰ نے یہ علم تو صرف ان لوگوں کے پاس ودیعت فرمایا ہے: جن پر یہ کتاب نازل کی ہے، یا جیسے امام محمد باقر علیہ السلام کا مشہور محدث وفقیہ سے یہ فرمانا۔ ويحك انما يعرف القرآن من خوطب به افسوس ہے تجھ پر! قرآن کو صرف وہی لوگ سمجھتے ہیں جو حقیقی مخاطب قرآن ہیں۔ (تفسیر صافی۔ مرآۃ الانوار وغیرہ) ظاہر ہے یہ ہستیاں صرف سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی شخص قرآن نہیں سمجھ سکتا۔

اس اشکال کا پہلا جواب یہ ہے کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور باطن کا پھر باطن کما ورد فی بعض الاخبار ان للقران بطنا و للبطن بطنا الی سبعة ابطن کچھ عام کچھ خاص کچھ محکم کچھ متشابہ، کچھ ناسخ کچھ منسوخ کچھ مطلق اور کچھ مقید تو اس قسم کی حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام حقائق و دقائق کو صرف سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام سمجھ سکتے ہیں۔ مگر اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ کوئی شخص ایسے ظواہر قرآن کو بھی نہیں سمجھ سکتا جو بعض احکام پر مشتمل ہیں ورنہ تو معاذ اللہ قرآن ایک معمہ بن کر رہ جائے گا جو نہ سمجھنے کا ہوگا اور نہ سمجھانے کا۔ (بھلا اس آیت کے مفہوم میں کیا ایچ پیچ ہے۔؟

یاایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم

یا اس ارشاد قدرت میں کیا خفا ہے۔؟ اینما کنتم فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ایک شخص آیات قرآنیہ کی تفسیر و تشریح کے سلسلہ میں روایات و بیانات معصومین کی طرف رجوع کرنے کے بعد ظواہر قرآن پر عمل کرتا ہے تو اس پر یہ بات صادق آتی ہے کہ اس نے قرآن کو اس کے اہل سے لیا ہے۔ تو اس سے کیا اشکال وارد ہو سکتا ہے۔

اس اشکال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر ظواہر قرآن حجت نہ ہوتے اور ہر عربی دان انہیں بالکل نہ سمجھ سکتا۔ تو خدائے حکیم خود قرآن کریم میں جا بجا اس کی آیات بینات میں غور و فکر اور تدبر و تامل کرنے کا حکم نہ دیتا۔؟ حالانکہ اس قسم کے اوامر و ارشادات سے قرآنی آیات بھلک رہی ہیں۔ علاوہ بریں روایات کے تعارض و اختلاف کے وقت، یا کسی روایت کا صدق و کذب معلوم کرنے کے سلسلہ میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا لوگوں کو قرآن کی طرف رجوع کرنے اور جو روایت قرآن کے موافق ہو اسے قبول کرنے اور مخالف قرآن روایت کو دیوار پر دے مارنے کا حکم دینا اس بات کی قطعی اور ناقابل رد دلیل ہے کہ ظواہر قرآن حجت ہیں اور اس قسم کی بکثرت روایات معتبرہ کتب معتبرہ کے اندر موجود ہیں کہ "خذ واما وافق کتاب اللہ وما خالف الکتاب فاضربوہ علی الجدار" کلما خالف کتاب اللہ فھو زخرف۔ کل شرط خالف کتاب اللہ فھو مردود (اصول کافی وغیرہ) ان سب حقائق سے ایک ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ظواہر قرآن حجت ہیں اور صاحبان علم و فضل ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ وھو المقصود وقد حصل بعون اللہ الودود۔

دوسرا اشکال اور اس کا جواب

ہم اجمالاً جانتے ہیں کہ قرآن کے اکثر عمومی و اطلاقی احکام اپنے عموم و اطلاق پر باقی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے مخصص و مقید وارد ہوئے ہیں۔ تو جب تک پہلے ان مخصصات

کو تلاش کر کے ان کے وجود یا عدم کا اطمینان حاصل نہ کر لیا جائے اس وقت تک ظواہر قرآن کے ساتھ کس طرح تمسک کیا جا سکتا ہے ؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جب ان تمام ممکنہ و متعلقہ مقامات پر ان مخصصات و مقیدات کی جستجو کی جائے جہاں ان کے ملنے کا امکان ہو (جیسے کتب تفسیر و حدیث) اور کوئی مخصص وغیرہ نہ ملے تو وہ اجمالی علم اس تفصیلی علم کے ساتھ منحل ہو جاتا ہے کہ یہ عموم و اطلاق اپنے عموم و اطلاق پر باقی ہے ۔ اور اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ ظاہر حجت ہے ۔ اور یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی ظاہری حکم کے ساتھ اس وقت تمسک کیا جاتا ہے کہ جب اس ظاہری حکم کے مخالف حکم کو تلاش کیا جائے اور وہ دستیاب نہ ہو ۔ اس طرح اس اشکال کا قلع قمع ہو جاتا ہے

تیسرا اشکال اور اس کا جواب

اگر ظواہر قرآن حجت ہوں تو اس سے لازم آئے گا کہ متشابہات کے ظواہر کی اتباع کی جائے حالانکہ ان کے ظواہر کی اتباع و پیروی کرنا شرعاً ممنوع ہے ۔ خود قرآن کہتا ہے : والذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ"

اس اشکال کا جواب ظاہر ہے کہ کسی لفظ کا مجمل و متشابہ یا ظاہر و اظہر یا نص ہونا ان عرفی امور میں سے ہے جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ متشابہ سے مراد ہے مجمل اور ظاہر وہ ہے جو مجمل نہ ہو ۔ اس طرح عرفاً ، لغۃً اور شرعاً ایک کا دوسرے پر اطلاق ہو ہی نہیں سکتا ۔ یعنی جو ظاہر ہے وہ متشابہ نہیں ہے اور جو متشابہ ہے وہ ظاہر نہیں ہے ، لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک ہی لفظ بیک وقت ظاہر بھی ہو اور متشابہ بھی ۔ تو جب ان دو متضاد صفتوں کا ایک جگہ ایسا وقت میں جمع ہونا ممکن نہیں تو پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اگر ظاہر کو حجت قرار دیا گیا تو متشابہ کی اتباع لازم آئے گی ۔ ان ھذا لشئ عجیب ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اشکال کمی عقل و قلت فہم کی پیداوار ہے سچ ہے ۔

؎ وکم من عائب قولاً صحیحاً وآفتہ من الفہم السقیم

علاوہ بریں جب حقیقی مفسر قرآن یعنی پیغمبر اسلام نے تمام متشابہات کی تفسیر و تشریح کر دی ہے۔ تو اس کے بعد قرآن مجید میں کوئی متشابہ آیت رہ ہی نہیں جاتی جس کی اتباع کرنے پر اشکال عائد کیا جائے۔

چوتھا اشکال اور اس کا جواب

اگر ظواہر قرآن کو حجت قرار دیا جائے تو اس سے تفسیر بالرائے کا جائز ہونا لازم آئے گا حالانکہ وہ بالاتفاق ناجائز و حرام ہے۔ جیسا کہ بکثرت احادیث نبویہ میں وارد ہے: من فسر القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ من فسر القرآن برأیہ فقد کفر (تفسیر صافی) اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ الفاظ کو ان کے ظاہری معنوں پر محمول کرنے کا نام تفسیر نہیں کیونکہ تفسیر کے معنی ہیں کشف القناع (نقاب کشائی کرنا) یعنی کسی لفظ کے معنی کے چہرہ سے حجاب ہٹانا۔ واضح ہے کہ لفظ کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کرنے سے کوئی نقاب کشائی نہیں کرنی پڑتی کیونکہ وہاں کوئی نقاب ہی نہیں ہے۔ بلکہ تفسیر بالرائے یہ ہوتی ہے کہ مفسر اپنے کسی خاص مقصد یا نظریہ کو ثابت کرنے کی خاطر الفاظ کو ان کے ظاہری معانی و مفاہیم سے ہٹا کر دور از قیاس معانی و مطالب پر محمول کرے اور کسی معمولی سی مناسبت کے پیش نظر کسی مجمل لفظ کو توڑ موڑ کر اپنے نظریہ پر منطبق کرنے کی کوشش کرے یا کسی غرض فاسد کے تحت متشابہات کی اتباع کرے۔ ایسے ہی کی روش و رفتار سے کبیدہ خاطر ہو کر اقبالؒ نے اس طرح اللہ کی بارگاہ میں شکایت کی ہے۔

؎ احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پاژند

ایک اور جگہ اس طرح ایسے لوگوں کو دور سے سلام کیا ہے۔

۵ زاہد بر صوفی و ملا سلامے | کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت | خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ عام عقلاء روزگار کی سیرت مستمرہ کی مانند ظواہر قرآن حجت ہیں ورنہ تمسک بالقرآن، قرآنی احکام پر عمل کرنے، اخبار متعارضہ کو قرآن پر پیش کرنے، مخالف قرآن شرائط کو مسترد کرنے اور قرآن میں تدبر و تفکر کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے، اور یہ تمام حقائق کھوکھلے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان حقائق سے قرآن، سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام اور دیگر بزرگان اسلام کے فرمان چھلک رہے ہیں (کما تقدم تفصیلہ) خلاصہ یہ کہ استنباط کے سلسلہ میں ایک مجتہد کی قرآن، اس کے ترجمہ و تفسیر اور آیات کے شان نزول وغیرہ حقائق پر مجتہدانہ بالغ نظری کے ساتھ نگاہ ہونی چاہیئے تاکہ اس کا اجتہاد قوم و ملت کے لیے مفید ثابت ہو۔ اور قابل رشک بھی۔

سنت کے مصدر و مدرک احکام ہونیکا بیان

استنباط احکام کا دوسرا سب سے بڑا اسلامی مدرک و مأخذ "سنت" ہے جو کہ قرآنی بنیادی اصول و ضوابط اور کلیات کی تشریح و توضیح کا نام ہے۔

سنت کے صحیح مفہوم کی وضاحت

عام اسلامی اصطلاح میں جب لفظ سنت بولا جاتا ہے تو اس سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل اور ان کی تقریر مراد ہوتی ہے۔ جن کے ہر قول و فعل اور تقریر کی بحکم خدا اتباع و اطاعت واجب و لازم ہے۔ بلکہ ان کی اطاعت عین اطاعت خدا ہے۔ مگر فقہ جعفریہ کے نقطۂ نظر سے چونکہ اہلبیت نبوت کے ائمہ طاہرین (از امیر المومنین تا مہدیٔ دین) بوجہ عصمت و طہارت ان کا ہر قول و فعل اور تقریر بھی شرعاً حجت و سند اور واجب الاتباع ہونے میں بمنزلۂ سنت رسول

ہے لہٰذا شیعی اصطلاح میں سنت سے مراد علی الاطلاق معصوم کا قول و فعل اور تقریر ہے عام اس سے کہ معصوم نبی ہو یا وصی۔ کیونکہ شیعی نقطۂ نظر سے ان ذوات مقدسہ کی حیثیت صرف محدث یا راوی حدیث کی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی احکام و حقائق اسلام حفاظت و حراست اور نشر و اشاعت کے لیے بذریعۂ رسولؐ منجانب اللہ منتخب و مقرر شدہ ہیں۔

تقریر معصوم کا مفہوم

مخفی نہ رہے کہ تقریر سے مراد یہ ہے کہ معصوم کے سامنے کوئی کام کیا جائے اور باوجود کسی مانع کے موجود نہ ہونے کے معصوم اس کی مخالفت نہ کریں اسے معصوم کی تائید سکوتی بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ تقریر بھی معصوم کے اپنے قول و فعل کی طرح شرعاً حجت و سند ہوتی ہے۔ اور اس کام کے صحیح ہونے کی دلیل۔

مختصراً ضرورت حدیث کا بیان

اگرچہ ضرورت حدیث کا اثبات ہمارے موضوع سخن سے خارج ہے۔ مگر پھر بھی مناسبت مقام کے پیش نظر اس کی ضرورت پر تھوڑا سا اشارہ کیا جاتا ہے۔

سو واضح ہو کہ ارشاد قدرت ہے: و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم "اے رسول! یہ قرآن ہم نے تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم کھول کر بتاؤ کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے"، اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک رسول خدا کا توضیحی کلام و بیان نہ ہو اس وقت تک عامۃ الناس حقائق و معارف قرآن کو سمجھ نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ جب پیغمبر اسلامؐ قرآنی مطالب و مفاہیم کو بیان فرمائیں گے تو کچھ الفاظ و عبارات استعمال کریں گے نبی کے انہی الفاظ و عبارات کو عرف میں "حدیث" کہا جاتا ہے۔ جس کی ضرورت سے انکار وہی کر سکتا ہے۔ جسے حدیث کا مفہوم ہی معلوم نہیں ہے۔

سنت معلوم کرنے کے ذرائع کا بیان

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ جناب رسول خدا

دائمہ بدی کی سنت (قول و فعل اور تقریر) معلوم کرنے کا طریقہ و ذریعہ کیا ہے؟ سو واضح ہو کہ اسکے متعدد ذرائع و وسائل ہیں۔ سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ براہ راست معصوم کے قول کا سماع اور ان کے فعل و تقریر کا مشاہدہ ہے۔ مگر یہ صرف ان لوگوں کے لیے جو معصوم کے عہد میں موجود ہوں اور حاضر بھی! مگر جو لوگ اس عہد کے بعد پیدا ہوں یا اس عہد میں موجود تو ہوں مگر قول و فعل اور تقریر کے صدور کے وقت حاضر نہ ہوں۔ تو ایسے لوگوں کے لیے سنت معلوم کرنے کا موجود ذریعہ احادیث و اخبار ہیں وہ خواہ کتب حدیث میں موجود ہوں یا کتب سیر و تواریخ میں اور خواہ کتب تفسیر میں۔ الغرض یہ اخبار و احادیث ناقل سنت ہیں۔ خود سنت نہیں۔ یا پھر اس سنت کے معلوم کرنے کا دوسرا بڑا ذریعہ تواتر عملی ہے جو سلف صالحین نے اپنے عمل و کردار سے اپنے خلف کے لیے نقل کیا ہے اور علماء و فقہاء نے ان تمام حقائق کو ہر عہد میں اپنی گراں مایہ کتابوں میں محفوظ کیا ہے۔

حدیث میں موارد بحث کی تعیین

سابقاً ظواہر قرآن کے حجت ہونے کے ضمن میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ قرآن میں صرف ایک بحث کی جاتی ہے کہ فلاں آیت کا مفہوم کیا ہے۔ یعنی وہاں صرف دلالت کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔ مگر حدیث میں دو چیزوں کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ ایک سند کے متعلق کہ فلاں حدیث میں اسنادی حیثیت کیا ہے دوسرے دلالت کے متعلق کہ اس کا مفہوم کیا ہے؟ پہلی بحث کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے۔ کہ بالاتفاق ہر دور میں ان لوگوں کی خود غرضانہ مساعی نامشکورہ کی وجہ سے جو مخلص نہ تھے دفتر حدیث میں ہر قسم کا رطب و یابس اور صحیح و غلط مواد غلط ملط ہو گیا۔ اگرچہ محدثین کرام و ناقدین عظام کی مخلصانہ و ناقدانہ کد و کاوش کے نتیجہ میں اس قسم کی وضعی و جعلی حدیثوں سے امت مسلمہ کو کافی حد تک نجات حاصل ہو گئی ہے۔ مگر بکلی ان کا خاتمہ نہیں ہوا۔ اس لیے کتب حدیث وغیرہ میں اکا دکا اس قسم کی حدیثیں مل جاتی ہیں۔ اس لیے بموجب "کم ترک الاول للآخر" موجودہ دور کے علماء کرام کے لیے علمی کام کرنے کے لیے

میدان کافی وسیع ہے اس لیے کسی حدیث سے استنباط احکام سے پیشتر یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ اس کے راوی کیسے ہیں؟ جس کے لیے علم رجال کی کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑتی ہے جن میں راویان اخبار کے پوست کندہ حالات اور ان کے سوانح حیات مذکور ہیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ وہ راوی ثقہ و صادق ہے یا دروغگو، صحیح العقیدہ ہے یا بدعقیدہ، جید الحافظہ ہے یا ردئ الحافظہ اور یہ کہ عادل ہے یا فاسق وغیرہ وغیرہ نیز یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ روایت عقل و نقل یا مسلمات دین و مذہب کے خلاف تو نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ روایت ظواہر قرآن سے متصادم تو نہیں جب کوئی حدیث ان تمام مراحل سے گزر جائے تب جا کر علماء اعلام کی نظر میں قابل اعتماد و اعتبار قرار پاتی ہے۔ اسی عمل کو "درایۃ الحدیث" کہا جاتا ہے جس کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "حدیث تدریہ خیر من الف ترویہ یعنی ایک حدیث کا صحیح معنی میں پرکھنا اور سمجھنا بے سوچ سمجھے ایک ہزار روایات نقل کرنے سے بہتر ہے (اساس الاصول ص ۳۴)

اور جب یہ مرحلہ خوش اسلوبی سے طے ہو جائے تب فہم حدیث کا مرحلہ پیش آتا ہے کہ اس قابل اعتماد و اعتبار حدیث کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ یہاں پہنچ کر پھر۔

ہر کس بقدر فہمش فہمید مدعا را

ہر اہل علم اپنی خداداد فہم و فراست اور اہلیت و قابلیت کے مطابق اس کا مطلب سمجھتا ہے۔ اور دوسروں کو سمجھاتا ہے، اختلاف احکام کی ایک وجہ اسی مرحلہ کی پیداوار ہے ایک عالم درایۃ الحدیث کے قواعد کی رو سے ایک حدیث کو صحیح قرار دیتا ہے اور دوسرا اسے غیر صحیح سمجھتا ہے۔ پھر ایک اس کا مطلب کچھ سمجھتا ہے اور دوسرا کچھ اور

ہزار نکتہ باریکتر ز مو اینجا است — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اقسام حدیث کا بیان اجمالی

حدیث کی بڑی بڑی دو قسمیں ہیں (۱) خبر متواتر (۲) خبر واحد متواتر اس حدیث کو کہا جاتا ہے۔ جسے بنی امام کے عہد معدلت انگیز سے لے کر عہد حاضر تک ہر دور اور ہر طبقہ میں اس قدر کثیر التعداد لوگ روایت کریں جن کا کذب و افتراء پر اجماع

کرنا عادۃً محال ہو۔

حدیث کی یہ قسم چونکہ موجب علم ویقین ہوتی ہے۔ اور علم و قطع کی حجیت ذاتی ہے۔ اس لیے اس قسم کے حجت ہونے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور جو حدیث ایسی نہ ہو یعنی متواتر کے معیار پر پوری نہ اترے اسے اصطلاح میں خبر واحد کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے راوی ایک سے زائد ہوں۔

علماء متقدمین کے نزدیک اس کی دو قسمیں تھیں (۱) صحیح (۲) غیر صحیح۔ مگر متاخرین کے نزدیک اس کی بہت سی قسمیں ہیں جیسے (۱) حدیث صحیح (۲) حسن (۳) موثق (۴) ضعیف (۵) متصل (۶) مرسل وغیرہ وغیرہ۔ (یہاں صرف اشارہ کرنا مطلوب ہے تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں ہے)

خبر واحد کے حجت ہونے کا تذکرہ

جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ خبر متواتر کی حجیت تو لاکلام ہے۔ مگر خبر واحد کے حجت و سند ہونے میں علماء و فقہاء میں فی الجملہ اختلاف پایا جاتا ہے مشہور و منصور قول یہ ہے کہ وہ شرعاً حجت ہے۔ اور اس کے حجت شرعیہ ہونے پر دلائل و شواہد قرآن، سنت خیر الانام، اجماع اور سیرت عقلاء میں مذکور ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ہم ہر چہار قسم کے دلائل کا ایک شمہ ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ یہ مطلب بالکل واضح و آشکارا اور آسمان کا مطلع بالکل بے غبار ہو جائے۔

شواہد قرآنیہ کا بیان

(۱) ارشاد قدرت ہے: ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نٰدمین (سورۃ الحجرات) جب تمہارے پاس کوئی فاسق و فاجر کوئی خبر لائے تو اس کی چھان پھٹک کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ بوجہ جہالت و بے خبری کسی قوم کو کچھ نقصان پہنچا بیٹھو۔ اور پھر تمہیں اپنے کئے پر پشیمان ہونا پڑے۔ اس مفہوم شرط کا مفاد یہ ہے کہ اگر خبر دہندہ فاسق نہ ہو بلکہ عادل ہو تو اس کی خبر سن کر چھان پھٹک کرنے کی ضرورت

نہیں ہے، بلکہ بلا تحقیق اسے قبول کیا جا سکتا ہے و ھو المطلوب

۲ ماکان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (سورۃ التوبہ) تمام اہل ایمان تو نہیں جا سکتے۔ تو ہر فرقہ میں سے ایک گروہ کیوں نہیں چلا جاتا۔ تاکہ دینی معرفت حاصل کرلے اور واپس لوٹ کر اپنی قوم کو آ کر ڈرائے شاید کہ وہ ڈریں۔ اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ خدائے کریم نے ازراہ لطف وکرم تمام لوگوں پر گھر بار چھوڑ کر طلب علم کے لیے سفر کرنا واجب قرار نہیں دیا۔ تاکہ نظام معاش ومعاد میں خلل واقع نہ ہو بلکہ بطور واجب کفائی ان میں سے بعض پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ جا کر تفقہ فی الدین حاصل کریں اور احکام شرعیہ معلوم کرنے کے بعد واپس آ کر اپنی قوم کو پہنچائیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ نقل احکام و روایات میں ان کی خبر پر شرعاً اعتبار کرنا صحیح ہے۔ اور ان کی خبر حجت ہے۔ ورنہ ان کا طلب علم کیے جانا اور تفقہ فی الدین حاصل کرنا قوم وقبیلہ کے لیے لغو و بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔ اور خالق حکیم کی ذات اس سے کہیں اجل وارفع ہے کہ وہ کوئی بے فائدہ کام کرے یا عبث کام کرنے کا حکم دے تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔

شواہد حدیثیہ کا بیان

ظاہر ہے کہ خبر واحد کے حجت ہونے پر خبر واحد سے تو استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ کھلم کھلا دور ہے جو عند الکل باطل ہے۔ لہٰذا اخبار متواترہ یا قرائن قاطعہ سے ثابت شدہ اخبار و آثار سے استدلال کرنا ہوگا۔

سو جہاں تک متواتر لفظی کا تعلق ہے تو وہ تو اکثر علماء ابرار کے مطابق موجود نہیں ہے۔ ہاں البتہ یہ بات تو اتر معنوی اور قرائن قطعیہ سے ثابت ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی نگاہ اقدس میں خبر واحد حجت ہے اور اس کے شواہد کا ایک نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) وہ اخبار و آثار جو اختلاف و تعارض روایات کے وقت اعدل، ارجح

عادل، اصدق (بڑے راستگو) اور اورع (بڑے پرہیزگار) کی روایت کو مقدم سمجھنے اور من جمیع الوجوہ تساوی کی صورت میں تخییر پر دلالت کرتے ہیں (جیسا کہ مقبولہ عمر بن حنظلہ وغیرہ بکثرت روایات میں وارد ہے) ان سے واضح ہوتا ہے، کہ اگر تعارض وتصادم نہ ہو تو عادل، صادق اور ثقہ راوی کی روایت قابل قبول اور شرعاً حجت ہے۔ ورنہ بصورت دیگر دو خبروں میں تعارض اور پھر ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں رہتے۔ (۲) ائمہ اہلبیت کا مختلف لوگوں کو حکم دینا کہ وہ احکام شرعیہ معلوم کرنے کے سلسلہ میں ان کے بعض اصحاب کی طرف رجوع کریں۔ جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کا ایک آدمی کو جناب زرارہ کی طرف اشارہ کرکے فرمانا، اذا اردت حدیثا فعلیك بهذا الجالس جب حدیث حاصل کرنے کا ارادہ ہو تو اس بیٹھنے والے کا دامن لازم پکڑو (رجال کشی) یا عبدالعزیز بن مہدی کا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنا کہ میں ہر وقت آپ کی بارگاہ اقدس میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ افیونس بن عبدالرحمٰن ثقة اخذ عنه معالم دینی کیا یونس بن عبدالرحمٰن قابل وثوق و اعتماد ہیں، ان سے اپنے دینی معلومات حاصل کر سکتا ہوں؟ امام نے فرمایا "نعم" (ہاں) (رجال مامقانی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثقہ وامین آدمی کی روایات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ اصحاب ائمہ کے نزدیک یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت تھی کہ ثقہ آدمی کے قول پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے راوی نے جناب یونس کی رفاقت کے متعلق سوال کیا ہے۔ کہ آیا وہ ثقہ ہیں؟ یہ دریافت نہیں کیا کہ کیا ثقہ آدمی کے قول پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) وہ متعدد اخبار و آثار جن میں علماء رواۃ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ امام العصر کا یہ فرمان "واما الحوادث الواقعة فارجعوا فيها الى رواة حديثنا فانهم حجتي عليكم وانا حجة الله تمہیں جو نئے نئے مسائل پیش آئیں ان میں ہمارے راویان اخبار کی طرف رجوع کرنا کیونکہ وہ ہماری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں ان پر حجت خدا ہوں" اس قسم کی احادیث اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ ان راویان اخبار و علماء ابرار کے قول پر اعتماد و اعتبار شرعاً جائز ہے، وهو المقصود وقد حصل بعون الله الودود۔

شواہد اجماعیہ کا بیان

بہت سارے ذمہ دار علماء اسلام نے ثقہ و امین راوی کی خبر قبول کرنے پر علماء اسلام کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے[۱]

قرن اوّل سے لے کر موجودہ دور ثقہ سماعت بھی یہی ہے اور مشاہدہ بھی ہے اور یہ بات تواتر عملی سے ثابت ہے کہ ہمیشہ علماء ابرار اخبار آحاد پر اعتماد و اعتبار کر کے ان پر آثار مرتب کرتے چلے آئے ہیں۔

شواہد سیرتیہ کا بیان

جہاں تک عقلاء روزگار کی روزمرہ کی روش و رفتار کا تعلق ہے تو اس کے متعلق بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے (اور روزمرہ کا مشاہدہ بھی شاہد ہے) کہ ہر قوم و ملت اور ہر مذہب و مسلک کے ذمہ دار عقلاء و فضلاء روزگار تمام دیار و امصار میں قابل وثوق لوگوں کے قول و قرار پر مکمل اعتماد اور اس کا اعتبار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شارع مقدس نے اس سلسلہ میں عام عقلاء روزگار کی روش و رفتار سے ہٹ کر کوئی نیا طریقہ کار اختیار نہیں کیا۔ بلکہ اپنے عمل و کردار سے اس عقلائی طریقہ کار پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔ اور اپنے قول و فعل سے اس کی تائید مزید کی ہے۔ تردید نہیں کی۔

وھو واضح من ان یخفیٰ علیٰ من جال خلال تلک الدیار

ع الا علی الاکمہ لم یبصر القمرا۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

---

[۱] کتاب عدۃ الاصول: ج ۱: ص ۴۷: طبع ایران تصنیف شیخ الطائفہ شیخ طوسیؒ۔